مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے

انسان ایک قاتل کائنات کا باسی ہے۔ کرہ ارض کو چاروں طرف سے جس قسم کی کائنات نے گھیر رکھا ہے وہ دہشتناک اور مہیب خلا، دہکتے ہوئے ستاروں، بے آب وگیاب سیاروں، سرد تاریک چٹانوں کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں۔ خود اس زمین کا بیشتر حصہ ناقابل برداشت ریگزاروں اور گلیشیئرز، سمندروں اور بنجر وادیوں سے عبارت ہے۔ ان میں سے ہر چیز انسان کے لیے موت کا حکم رکھتی ہے۔

تاہم ایک کریم و مہربان ہستی کی نظر عنایت ہوتی ہے اور یہی قاتل کائنات زندگی کے نغمے گنگنانے لگتی ہے۔ آگ کے گولے جگمگاتے ستارے بن جاتے ہیں۔ دہکتا ہوا سورج چمکتی ہوئی روشن شمع بن جاتی ہے۔ بھیانک خلا دلکش فضا میں بدل جاتا ہے۔ سمندوں کا کھارا پانی دریا اور پہاڑوں کے میٹھے پانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بنجر زمین سبزہ زاروں کا روپ دھار لیتی ہے اور ناقابل برداشت موسم متوازن اور معتدل موسم میں ڈھل جاتا ہے۔

ایک قاتل کائنات کو مہربان بنانے والی ہستی اپنی ذات میں کتنی مہربان ہوگی، اس کا حقیقی اظہار تو اسی وقت ہوگا جب جنت کی زندگی میں اس کے پسندیدہ بندے اس کے روبرو پیش کیے جائیں گے......اس کی عنایتیں چارسوان کا احاطہ کرلیں گی۔ ان کی زندگی ہر غم والم اور ہر دکھ اور پچھتاوے سے خالی کردی جائے گی۔ مگر آج بھی وہ لوگ جو شعور کی آنکھ کھلی رکھتے ہیں اور غفلت کی پٹی باندھ کر نہیں جیتے، اس قاتل کائنات میں اپنی موت کے سامان کے درمیان اسباب زندگی کو یوں بکھرا ہوا دیکھ کر اس کریم کی محبت سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ وہ بے اختیار کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

میری ہستی عبادت ہو گئی ہے مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے

لوگوں کی ذمہ داری

سماجیات کے طالب علم یہ حقیقت اچھی طرح جانتے ہیں کہ سماج ایک تغیر پذیر شے ہے۔ سماج کبھی ایک جگہ اور ایک جیسا نہیں رہتا۔ وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ سے درست تھی۔ دور جدید میں صرف یہ فرق پڑا ہے کہ اب تبدیلی کی رفتار بہت تیز ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی رعایت کرتے ہوئے جب ختم نبوت کا فیصلہ کیا تو اس بات کو یقینی بنایا کہ دین اسلام کی تعلیمات کچھ اصولی اور بنیادی باتوں تک محدود رہیں۔ اسلام میں تفصیلات اگر ہیں تو وہ عقائد کے ضمن میں ہیں یا پھر اخلاقی احکام میں۔ احکام شریعت میں دین کے جس شعبے میں ہدایات دی گئی ہیں وہ زیادہ تر اصول تک ہی محدود ہیں۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام تا قیامت ہر طرح کے حالات میں قابل عمل رہے۔

اسلام کے تحفظ کے لیے ایک دوسرا اہتمام یہ کیا گیا کہ اس دین کو ہر تحریف اور تبدیلی سے محفوظ کر دیا گیا۔ تاہم ہر دور میں لوگ اپنی خواہشات اور تعصّبات کو دین کے نام پر پیش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ خطرہ بہر حال موجود تھا کہ اصل دین میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے دین میں کسی اضافہ کو بدعت کی شکل میں ایک سخت ترین جرم بنا دیا گیا۔ کلیسا کی طرز پر کسی ادارے کے بجائے صرف اللہ اور رسول کو دین کا مرکز بنایا گیا۔ اس کے ساتھ تکوینی طور پر یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہوتے ہیں جو دین کی اصل تعلیم کو پوری قوت کے ساتھ زندہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

اسلام کی حفاظت کا یہی وہ نظام ہے جس کی بنا پر یہ ممکن ہوا کہ تا قیامت اللہ کی اصل بات لوگوں کے سامنے رہے۔ تاہم چونکہ یہ امتحان کی دنیا ہے، اس لیے اصلاً یہ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے نام پر پیش کی جانے والی مختلف باتوں میں سے درست کو پہچانیں۔ وہ یہ نہیں کریں گے تو روزِ قیامت اللہ کے ہاں سخت جوابدہی کے عمل سے گزریں گے۔

صف دوم

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جن ممالک اور اقوام نے دنیا میں غیر معمولی ترقی کی ہے ان میں غیر معمولی صلاحیتوں کے افراد پیدا ہو جاتے ہیں جو انہیں بام عروج پر لے جاتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں کامیابی کی وجہ صف اول میں کھڑے ہوئے اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے لوگ نہیں ہوتے بلکہ صف دوم میں کھڑے ہوئے اوسط صلاحیتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے لوگوں کو کم تعداد میں پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ پیدا ہو بھی جائیں تو یہ کسی ایک فن یا شعبے ہی میں مہارت رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اجتماعی زندگی کسی ایک شعبے کا نام نہیں بلکہ اس میں کامیابی کے لیے کئی ہمہ جہتی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ یہ جدوجہد تنہا ایک شخص نہیں کر سکتا، چاہے وہ کتنی ہی اعلیٰ صلاحیت کا مالک ہو۔ وہ یہ کوشش کرے گا تو اپنے اصل کام کی طرف توجہ نہیں دے سکے گا نہ وہاں اعلیٰ ترین نتیجہ پیدا کر سکے گا۔

چنانچہ یہ دوسری صف کے لوگ ہوتے ہیں جو مددگار کے طور پر اٹھتے ہیں اور بظاہر کم اہمیت کے اور کم نمایاں ہونے والے وہ کام کرتے ہیں، جن کی وجہ سے صف اول کے لوگ اجتماعی سطح پر کوئی بہت نمایاں کام کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ گویا صف دوم کے لوگ گمنامی کی قبر میں دفن ہوتے ہیں، تب کہیں جا کر ایک اعلیٰ انسان کوئی بڑا اجتماعی کام کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

اس کی ایک سادہ ترین مثال جنگ و جدل کی ہے۔ عام طور پر جنگوں میں فتح کے بعد سپہ سالار کا نام بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ سپہ سالار کی تمام تر اہمیت کے باوجود اگر عام سپاہی اپنا حصہ ادا نہ کریں تو سپہ سالار کوئی کارنامہ کبھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ ایک عام سپاہی دشمن کا سامنا کرتا، اپنا خون بہاتا اور بارہا گمنامی کی موت مرتا ہے تب کہیں جا کر جنگ میں فتح حاصل ہوتی ہے۔

اس کی ایک دوسری روزمرہ مثال ٹی وی کے پروگراموں کی ہے۔ عام طور پر ان پروگراموں میں اسکرین پر نظر آنے والے لوگ نمایاں ہوجاتے ہیں۔ مگر ان کے پیچھے کتنے ہی لوگ خاموشی سے اپنا کام کررہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کام اچھے طریقے پر کرتے ہیں تب کہیں جاکر ایک کامیاب پروگرام وجود میں آتا ہے۔

تاہم ان تمام مثالوں میں دوسری صف کے لوگ معاوضے پر اپنی خدمات ادا کرتے ہیں۔ ایک نہیں آئے گا تو دوسرا اس کی جگہ لے لے گا۔ اس لیے صف دوم کے لوگوں کی کبھی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی کام رضا کارانہ بنیاد پر کیا جاتا ہے تو ایسی شکل میں صف دوم کے مستقل مزاج اور مخلص لوگوں کو ڈھونڈنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ وہ کہیں نمایاں بھی نہیں ہوتے۔ انہیں خاموشی سے اپنا کام کرتے رہنا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے معاملات میں صف دوم کے لوگ بہت کم شامل ہوتے ہیں۔ وہ ایک دن شامل ہو بھی جائیں تو اگلے دن رخصت لے لیتے ہیں۔ تاہم اگر کوئی ادارہ یا گروہ معاشرے میں غیر معمولی خدمات سرانجام دینا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ صف دوم کے لوگ ذہنی طور پر یہ جان لیں کہ وہی صف اول کے لوگ ہیں۔ انہی کو اصل میں یہ کام کرنا ہے۔ وہی اس کام کے ذمہ دار ہیں اور روز قیامت وہی اللہ سے اجر کے حقدار ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ صف دوم میں کھڑے ہونا بہت حوصلے کا کام ہے۔ اس میں قربانی دینی پڑتی ہے۔ لیکن ایسے شخص کو نہ معاوضہ ملتا ہے نہ وہ نمایاں ہو پاتا ہے۔ لیکن جب کچھ لوگ یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں تو پھر معجزات جنم لینے لگتے ہیں۔ پھر معاشرے بدلنے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک کو آج صف دوم کے ایسے ہی لوگوں کی تلاش ہے جو استقامت کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اسی پر ہماری اجتماعی ترقی منحصر ہے۔

دعا

قرآن کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر دین کا ایک انتہائی مطلوب مطالبہ ہے۔ یہ ذکر زبان سے کچھ الفاظ دہرا دینے کا نام نہیں بلکہ وہی کیفیت ہے جسے ہم اپنی زبان میں ایسے بیان کرتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص یاد آ رہا ہے یا فلاں بات پر فلاں شخص یاد آ گیا۔ گویا یہ دل کی ایک کیفیت ہوتی ہے جو اکثر الفاظ میں ڈھل جاتی ہے۔ یہی ذکر کی حقیقت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے ایک بہترین رہنما ہے۔ ذکر کے پہلو سے بھی آپ کا عمل ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ جب آپ کی سیرت کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی اور خدا کی یاد کی جو کیفیت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے، اس پر جب آپ نے عمل کیا تو اس کا بہترین اظہار آپ کی ان دعاؤں میں ہوا جو کتب احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، صبح و شام اور خوشی و غمی غرض زندگی کے ہر واقعے اور ہر موقع پر آپ نے اللہ کو ان دعاؤں کی شکل میں یاد کیا۔

ان دعاؤں کی دو غیر معمولی خصوصیات ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے بیشتر کے الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔ یہ الفاظ عرب و عجم کے سب سے زیادہ فصیح اللسان ہستی کے الفاظ ہیں۔ یہ الفاظ اللہ کی حمد و ذکر کا ایسا خوبصورت بیان ہیں جو کسی اور انسان کے لیے ممکن نہیں۔ ان میں جو تڑپ، محبت، وارفتگی ہے وہ کوئی انسان پا لے تو قرب الٰہی کی منزل با آسانی حاصل کر سکتا ہے۔

ان دعاؤں کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اللہ کی صفات کی یاد دہانی کے ساتھ اس سے مکالمے کے ایسے انداز سکھائے گئے ہیں جو انسان دل سے ادا کر دے تو ممکن ہی نہیں کہ وہ خدا کی نوازشات کا حقدار نہ بنے۔ یہی ان دعاؤں کی اصل قدر و قیمت ہے۔

اصلاحی تحریکیں اور تنقیدی ذہن

مسلمانوں کے دورِ زوال میں بہت سی اصلاحی تحریکیں اور مفکرین پیدا ہوئے۔ یہ تحریکیں اور مفکرین ایسے غلط رویوں کی اصلاح کے لیے اٹھے تھے جن کے معاملے میں لوگ ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے ان کے ہاں تنقید کا عنصر بڑی شدت سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اس تنقید سے جہاں بہت سی چیزوں کی اصلاح ہوئی وہیں ایک مسئلہ خود ان اصلاحی تحریکوں میں یہ پیدا ہوا کہ اختلافات کے باوجود ساتھ چلنے، برداشت اور تحمل کا مزاج بڑی حد تک ختم ہو گیا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ جب تنقیدی ذہن کو بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہے تو وہ اصولی ہی نہیں فروعی اور ثانوی باتوں میں بھی نقائص، عیوب، کمزوریاں اور خامیاں دیکھتا چلا جاتا ہے۔ یہ ذہن عام اہل علم کے ساتھ کام کرتا ہے اور توقع یہ رکھتا ہے کہ پیغمبروں کی بے عیب سیرت کا نمونہ نظر آئے۔ یہ ذہن تنقید کا اتنا عادی ہوتا ہے کہ کسی اصولی بات کے بجائے اپنے مزاج کے خلاف بھی کسی بات کو لے کر اسے اختلاف اور پھر علیحدگی کا مسئلہ بنا دیتا ہے۔

یہ تنقیدی ذہن ایک غیر حقیقی اور رومانوی دنیا میں جیتا ہے۔ وہ گزرے ہوئے اکابرین اور ان بزرگوں کی عظمت کا تو کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے جن سے روزمرہ معاملہ پیش نہ آئے، مگر شب و روز کے ساتھیوں کا عقابی نظر سے جائزہ لیتا رہتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس عقابی جائزے سے وہ کبھی اپنی شخصیت کا احتساب نہیں کرتا یا کرتا ہے تو اپنے خود ساختہ اصولوں کی روشنی میں کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مزاج اور افتادِ طبع کے اختلاف کو بھی اصولی اختلاف بنا کر نہ صرف الگ ہو جاتے ہیں بلکہ مستقبل کے ناقدین کی فہرست میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اکابر پرستی ایک جرم ہے اسی طرح اپنی ذات، ذوق اور مزاج کو بنیاد بنا کر تنقید کرنا ایک جرم ہے۔ ایسے معمولی اختلاف کے باوجود ساتھ چلنا اعلیٰ اخلاقی رویہ ہے۔ نہ کہ شکوہ شکایت کے ذاتی دفتر کو اصولی اختلاف کا رنگ دینا۔

توبہ قائم رکھنے کا ایک طریقہ

مجھ سے بہت سے لوگ ایک سوال بار بار کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کوئی خاص گناہ ان سے چھوڑا نہیں جاتا۔ وہ توبہ کرتے ہیں، مگر پھر دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ یہ دو چار لوگوں کا معاملہ نہیں نیکی کی راہ پر چلنے کی کوشش کرنے والے بہت سے لوگوں کا مسئلہ ہے۔

اس مسئلے کے حل کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اکثر ایسے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم ان حالات میں بار بار خود کو ڈال دیتے ہیں جو گناہوں میں مبتلا کردیتے ہیں۔ مثلاً کسی کو اگر غیبت کی عادت ہے اور ساتھ میں بہت بولنے کا مرض بھی لاحق ہے تو غیبت چھوڑنے کے لیے کم بولنے یا سوچ سمجھ کر بولنے کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔

تاہم اس کے باوجود بھی اکثر اوقات بار بار وہی گناہ ہوتا رہتا ہے۔ اس صورتحال سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی گناہ کا ارتکاب ہو، بغیر کسی تاخیر کے فوراً توبہ کریں۔ ساتھ میں یہ بھی طے کرلیں کہ کسی نہ کسی اضافی نیکی کو بطور کفارہ ضرور کرنا ہے۔ جیسے بعض لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی نامناسب مناظر پر نگاہ ڈال لیتے ہیں۔ اس کے بعد جیسے ہی انسان اس کیفیت سے باہر نکلے پوری شدت کے ساتھ توبہ کرے۔ اللہ سے مدد کا طلبگار ہو۔ ساتھ میں کسی اضافی نیکی کو ضرور کرے۔ جیسے کچھ صدقہ کردے۔ کچھ نوافل پڑھ لے۔ یا خدمت خلق کا کوئی کام کرلے۔

ایسے گناہ عام طور پر شیاطین کی وسوسہ انگیزی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مگر اس طرح کی صورتحال سے وہ بہت پریشان ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ جس مقصد کے لیے وسوسہ انگیزی کی گئی تھی، اس کا بالکل الٹا نتیجہ نکلتا ہے۔ ایسا انسان خدا سے دور ہونے کے بجائے اس سے اور قریب ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد شیاطین تنگ آکر اپنی وسوسہ انگیزی کم کردیتے ہیں اور یوں انسان کو مستقل طور پر اس گناہ سے نجات مل جاتی ہے۔ یہی اس مسئلے کا بہترین حل ہے۔

مذہبی مشینیں

قرآن مجید میں آیات کی تعداد چھ ہزار سے اوپر ہے۔ ان میں وہ آیات جو براہ راست شرعی احکام بیان کرتی ہیں، ان کی تعداد میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محققین کے نزدیک ان احکامی آیات کی تعداد ڈیڑھ سو سے لے کر پانچ سو تک ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید جو کل انسانیت کی رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا اور جس میں اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت ہے، اس میں احکامی آیات کا تناسب مجموعی طور پر بہت کم ہے۔ جبکہ وہ آیات جن میں اقوام سابقہ کے قصے بیان ہوئے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معاصرین کے درمیان پیش آنے والے حالات کا بیان ہے یا پھر انفس و آفاق کی نشانیوں کی تفصیل کی گئی ہے، یا پھر صفات باری تعالیٰ، احوال قیامت، اور جنت اور جہنم کا ذکر ہے، ان کی تعداد احکام سے متعلق آیات سے کہیں زیادہ ہے۔

ایسے میں قرآن مجید کے ایک طالب علم کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ کیا سبب ہے کہ قرآن مجید جس کا لفظ لفظ ہدایت ہے، اس میں احکام کا تناسب اس قدر کم ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے، مشینی روبوٹوں کی ہدایت کے لیے نازل نہیں ہوا۔ انسان اور مشین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان اصلاً ایک نفسیاتی وجود ہے۔ جبکہ مشین کا کوئی نفسیاتی وجود نہیں ہوتا۔ اس کا پورا نظام کچھ انسٹرکشنز یا ہدایات پر چلتا ہے۔ جبکہ انسان انسٹرکشن پر نہیں چلتے۔ پہلے ان کی نفسیات کسی چیز کو قبول کر کے تبدیلی کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہی وہ کچھ انسٹرکشن یا ہدایات کو قبول کرتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں ہزارہا آیات موجود ہیں جن میں کوئی شرعی حکم بیان نہیں ہوا۔ ان آیات کا اصل مقصد کسی ضابطے قاعدے اور قانون کا بیان نہیں بلکہ انسان کی نفسیات کو

متاثر کرنا ہے۔ان آیات کا مطالعہ انسان کے اندر کو بدلنا شروع کرتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ یہ وسیع وعریض کائنات خود اپنے آپ وجود میں آئی ہے نہ اپنی مرضی سے چل رہی ہے۔ اس کا ایک خالق و مالک ہے۔ اس خالق نے ہر دور میں اپنے انبیا کو دنیا کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ اور آخری دفعہ یہ منصب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ آپ نے آکر انسانوں کو اللہ کی مرضی سے آگاہ کیا۔ اب جو شخص آپ کی پیروی کرے گا دنیا اور آخرت کی فلاح اس کا مقدر ہوگی۔ اور جو شخص نافرمانی کی راہ اختیار کرے گا، ہلاکت اور بربادی اس کا مقدر ہوگی۔

بدقسمتی سے قرآن مجید کی یہی وہ حکمت ہے جس سے آج کل کے لوگ بالکل ناواقف ہیں۔ وہ دین کے احکام کو ٹھونس دینے اور نافذ کردینے جیسی کوئی چیز سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان مشینوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ انسٹرکشنز دے دی جائیں تو وہ بدل جاتے ہیں۔ جبکہ ایسی کوششوں کے نتیجے میں اگر کچھ بدلتا ہے تو انسانوں کا صرف ظاہر بدلتا ہے۔ ان کی نفسیات، ان کا اخلاقی وجود اور ان کا باطن ایسی ہر انسٹرکشن سے غیر متعلق رہتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

آج ہم پوری دنیا میں اسلام کے نام پر ایک شور اور ہنگامہ دیکھتے ہیں۔ ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمان دنیا میں موجود ہیں۔ مگر حیرت انگیز طور پر ان حاملین اسلام اور قرآن کے وہ اثرات دنیا میں نظر نہیں آتے جو چند ہزار صحابہ کرام نے پیدا کردیے تھے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ صحابہ کرام کی نفسیات کو قرآن مجید نے بدل کر رکھ دیا تھا۔ جبکہ آج ہم لوگوں کو مشین سمجھ کر دیندار بناتے ہیں۔ چنانچہ نتیجے کے طور پر اعلیٰ انسان نہیں بلکہ مذہبی مشینیں ہی وجود میں آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جنت کی ابدی بادشاہی کسی قسم کی مذہبی یا دینی مشین کے لیے نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل اعلیٰ انسانوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ قرآن مجید یہی انسان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی انسان وہ لوگ ہیں جن کی آج دنیا منتظر ہے۔

سوال و جواب

ابویحییٰ

لوگوں کی رہنمائی کیسے کی جائے

سوال:

سر! میں آپ کی طرح شمع بن کر لوگوں کے دلوں کو روشن کرنا چاہتی ہوں۔ برائے مہربانی آپ رہنمائی فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انیلہ عارف

جواب:

اصل چیز لوگوں کے دلوں کو روشن کرنا نہیں ہوتا، اپنے دل کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا مقصود بنائے۔ اسی کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ اس کے دل میں خدا کے دین کی نصرت اور مدد کا شدید جذبہ ہو۔ وہ اس کے لیے تڑپ کر دعا کر رہا ہو۔ جو کچھ اور جس حیثیت میں کر سکتا ہو کر رہا ہو۔ اس کے بعد کہیں جا کر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنے کسی کام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال بھی ان کی مرضی و منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو مقرر یا مصنف بنا دیا جائے۔ کوئی مالی تعاون کرتا ہے، کوئی اپنی صلاحیت دیتا ہے، کوئی وقت دیتا ہے۔ جو انسان کے حسب حال ہوتا ہے وہی اس سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر اس کا بدلہ اللہ کی خصوصی رحمت اور عنایت ہوتی ہے۔

انسان کو یہی رحمت عنایت اور فضل مانگنا چاہیے۔ اپنی موجودہ حیثیت میں جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کرنا شروع کر دینا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی مسلسل کوشش کرنا چاہیے۔ پھر آہستہ آہستہ راستہ کھلتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ جس کو ہم دنیوی اعتبار سے بڑا کام سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتے ہیں تو لے لیتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک اس کی رضا کا تعلق ہے وہ تو بہت معمولی سے کام سے بھی مل

سکتی ہے۔ اس کا انحصار ہمارے جذبے پر ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے جذبے کو خالص رکھیے اور استقامت کے ساتھ کوشش کرتی رہیں۔ جو موجودہ حالات میں ممکن ہے وہاں سے کام کا آغاز کردیں۔ باقی راستے اللہ تعالیٰ کھولتے چلے جاتے ہیں۔

فطرت اور ختنہ

سوال:

سر اگر اسلام دین فطرت ہے تو انسان ختنہ کے بغیر کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ برائے مہربانی اس بات کو سمجھنے میں مدد کیجیے۔ خالد خان

جواب:

محترمی خالد خان صاحب

اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ آپ پر دین فطرت کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ دیکھئے دین فطرت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی جسم ہر طرح کی نجاست اور گندگی سے بالکل پاک وصاف پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے جسم سے کبھی کوئی نجاست نہ نکلتی۔ ہمارے ناخن نہ بڑھتے جن میں گندگی جمع ہو جاتی ہے اور جن کو اسی طرح کاٹنے کا حکم ہے جس طرح ختنہ کرنے کا حکم ہے۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کا تعلق انسانی جسم سے نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر جو فطرت بنائی ہے وہ اپنی ذات میں کچھ تقاضے رکھتی ہے۔ ان میں سے ایک بنیادی تقاضہ پاکیزگی کا ہے۔ انسان ہر ناپاکی کو فطری طور پر برا سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ناخن جب بڑھتے ہیں تو ان میں میل کچیل جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ سنت ہے کہ ناخن کاٹے جائیں۔ اسی مثال سے آپ سمجھ لیں کہ ختنہ کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس کا تعلق

پاکیزگی کے احساس سے ہے نہ کہ کسی قسم کے جسمانی نقص سے۔
امید ہے بات واضح ہوگئی ہوگی۔
ابو یحییٰ

رکوع میں دعا کی ممانعت

سوال:

السلام علیکم، امید ہے کہ آپ اور آپ کی فیملی خیریت سے ہوں گے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو رکوع میں دعا کرنے سے کیوں روکا اور سجدہ میں دعا کرنے سے نہیں روکا جبکہ رکوع وسجود دونوں ایک ہی طرح لگتے ہیں اور دونوں ہی خدا کے لیے ہیں۔ مجاہد

جواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں خیریت سے ہوں اور آپ کی صحت اور عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، اس نصیحت کی وجہ کی کوئی واضح وجہ کہیں ذکر نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس معاملے میں ہم صرف رائے ہی قائم کر سکتے ہیں۔ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ نماز تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ اللہ کے فرامین کو سننے کے لیے ہے اور یہ کام ہم قیام میں کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ اللہ پاک کی حمد و تسبیح کے لیے ہے، اور یہ ہم رکوع وسجود میں کرتے ہیں۔ تیسرا حصہ دعا ومناجات کے لیے ہے اور یہ ہم تشہد میں کرتے ہیں۔ لیکن حالت سجدہ ہی چونکہ وہ حالت ہے جب ہم اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دعا کی تلقین کی ہے۔ رکوع

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح اور ذکر کو ترجیح دی ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ دعائیں ذکر و تسبیح کے بعد ہی مانگنی چاہئیں نہ کہ بغیر حمد و ثنا کے۔ رکوع خدا کے حضور میں اپنی عاجزی ظاہر کرنے کا پہلا عمل ہے لہٰذا ہمیں اس میں دعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ خدا کی تسبیح و تحمید کرنی چاہیے اور اگر چاہیں تو سجدے میں دعا کر لیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ کچھ اہل علم بعض روایات میں آنے والے ان کلمات ''اللھم اغفرلی ''یعنی اے اللہ میری بخشش فرما دے کی بنا پر رکوع میں بھی دعا کو درست سمجھتے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک یہ کلمات دعائیہ ہونے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس سے زبان سے نکلے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بلند قامت شخصیت بھی جس ہستی کے سامنے بخشش مانگتی ہو، اس کی بڑائی کا کیا کہنا۔ اس لیے اس سے رکوع میں دعا کا جواز نکالنا درست نہیں۔ تاہم یہ میری رائے ہے۔ صحیح بات اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں۔

والسلام

ابو یحییٰ

سوال:

غیر مسلموں کی نجات

جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان (کے اعمال) کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (البقرہ 2 :62)

سر اس کا مطلب ہے کہ اگر اللہ کے آخری رسول پر ایمان نہ لائیں اور کسی اور مذہب سے تعلق ہو، وہ بھی اگر اللہ پر ایمان رکھے اور نیک اعمال کرے تو کیا وہ کامیاب ہوگا؟ خالد خان

جواب:

محترمی دین کے احکام دو طرح کے ہیں۔ ایک مثبت جن میں کچھ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے دوسرے منفی جن میں کچھ چیزوں سے روکا جاتا ہے۔ پہلے کی مثال اللہ کو ایک ماننا اور نماز پڑھنا وغیرہ ہے اور دوسرے کی مثال زنا سے بچنا ناانصافی سے بچنا وغیرہ ہے۔

زیر بحث آیت میں صرف مثبت چیزوں کو بیان کیا گیا ہے یعنی ایمان اور عمل صالح۔ منفی چیزوں کا ذکر قرآن میں دیگر مقامات پر ہوا ہے جیسے قتل ناحق یا کسی سچے رسول کی تکذیب۔ اس اصول کی رو سے اگر کسی شخص تک اللہ کے آخری رسول کا پیغام پہنچ گیا اور وہ اس کو سمجھنے کے بعد بھی آپ کی رسالت کا منکر رہا تو وہ اللہ کے ہاں ماخوذ ہوگا۔

سلسلہ روز وشب

ابو یحییٰ

انتہا پسندانہ سوچ

انتہا پسندانہ سوچ کا مسئلہ

ہمارے ملک میں پچھلے کئی برسوں سے مذہب کے نام پر بڑے پیمانے پر دہشت گردی عام رہی ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق جو اس تحریر کے وقت پرانے ہو چکے ہیں، ساٹھ ہزار سے زائد معصوم شہری جن میں بوڑھے، بچے، مرد و زن، نوجوان سب شامل ہیں، اس دہشت گردی میں مارے گئے۔ زخمی ہونے اور زندگی بھر کے لیے معذور ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

گرچہ ملک میں جاری آپریشن کی بنا پر دہشت گردی میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے مگر اہل بصیرت جانتے ہیں کہ دہشت گردی کی اس فصل کو گرچہ اس وقت سمیٹا گیا ہے لیکن یہ فصل جس زمین پر برگ و بار لاتی ہے وہ پوری طرح موجود ہے۔ یہ زمین جو دہشت گردی کی جنم بھومی ہے انتہا پسندانہ سوچ ہے۔

انتہا پسندانہ سوچ کسی بھی معاملے میں تمام دینی، اخلاقی اور علمی حدود اور اقدار کو پامال کر کے کوئی رائے قائم کرنے کا نام ہے۔ اس کا ابتدائی اظہار تو ہمارے ہاں پائے جانے والے فرقہ وارانہ اختلافات میں ہوا تھا جب بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مسالک کے درمیان نزاع اس حد تک جا پہنچا تھا کہ ایک دوسرے کو کافر، مشرک اور گستاخ رسول کہنے کا چلن عام تھا۔ یہ معاملہ ابھی پوری طرح دبا بھی نہیں تھا کہ 1979 میں آنے والے ایرانی انقلاب اور افغانستان پر روسی حملے کے نتیجے میں اہل سیاست نے اہل مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا

شروع کردیا۔

اہل مذہب اہل سیاست کے اس جال میں آ گئے ۔ایک طرف تو مذہبی جذبہ اپنی جگہ تھا اور دوسری طرف نئی نئی ملنے والی اہمیت اور طاقت میں بھی بڑی کشش تھی ۔ یوں اہل سیاست اور اہل مذہب کے اس ''نکاح' کے نتیجے میں انتہا پسندی نے ایک نیا جنم لیا۔ مذہبی انتہا پسندی جو اس سے قبل صرف فرقہ وارانہ اساسات رکھتی تھی، سیاسی مخالفتوں اور نظریات کی بنیاد پر بھی معاشرے میں عام ہونے لگی ۔ اہل سیاست اور ان کے ہمنوا اہل مذہب نے دو عشروں تک نظریاتی انتہا پسندی کو فروغ دینے کا طریقہ اپنایا تا کہ انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جان دینے اور لینے والے لوگ آسانی سے دستیاب رہیں۔

تاہم یہ راستہ مکمل تباہی کا راستہ ہے۔ ہمارا ملک ایران یا سعودی عرب کی طرح کسی ایک فرقہ کی یکطرفہ اکثریت کا ملک نہیں ہے۔اس ملک میں مختلف پس منظر کے لوگ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔آج اگر اس انتہا پسندی کے سیلاب کے آگے بند نہیں باندھا گیا تو اگلے چند برسوں میں دہشت گردی کی ایک نئی فصل پیدا ہوگی ۔ یہ فصل اتنے خوفناک نتائج پیدا کرے گی کہ آج لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ۔اللہ کرے کہ ہمارے حکمرانوں، مقتدر طبقات اور مذہبی لیڈرشپ کو اس بات کی سمجھ آ جائے۔

ایک خط

تاہم سر دست جو تمہید میں نے باندھی ہے اس کا مقصد ایک خط کو قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے جو ایک صاحب علم کو اس طالب علم نے لکھا تھا۔اس خط کو پڑھ کر قارئین کو اندازہ ہوگا کہ انتہا پسندانہ سوچ کیا ہوتی ہے اور کس طرح سادہ ترین باتوں کو انتہائی غلط رنگ میں پیش کرتی ہے۔ ایک عام آدمی جو نہ کسی چیز کو گہرائی میں جا کر سمجھتا ہے اور نہ اس کے سامنے دوسرا نقطہ نظر آتا ہے،

اس طرح کی باتیں سن کر اور پڑھ کر کسی بھی شخص کے خلاف انتہائی منفی رائے قائم کر سکتا ہے۔

اہل علم کے یہی انتہا پسندانہ انداز عام لوگوں کو دہشت گرد بنا دیتے ہیں۔ اس طرح کی انتہا پسندانہ چیزوں کو پڑھ کر لوگ نفرت کے پجاری اور نفرت کے سفیر بن جاتے ہیں۔ یہ قاتلوں اور دہشت گردوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ اہل علم تو بعد میں معصوم بن کر ''اسلام امن کا دین ہے'' اور ''ہم دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں'' کا راگ الاپنے لگتے ہیں، مگر ان کے کہے ہوئے اور لکھے ہوئے الفاظ کتنے ہی لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

ان لوگوں کو معمولی سا بھی اندازہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت ان کی اتنی سخت پرسش کریں گے کہ کچھ حد نہیں۔ان کی اگر کوئی نیکیاں ہوئیں تو وہ مکمل طور پر ختم ہو جائیں گی۔ پھر اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کے جرائم اور گناہوں کا وبال بھی ان ہی کو اٹھانا ہوگا۔ کاش کہ خدا کے نام پر کھڑے مگر خدا سے مکمل طور پر بے خوف لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آ جائے۔

ذیل میں میرا خط ہے۔اس میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مکتوب الیہ کی نشان دہی کرنے والی ہر چیز کو حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ کسی کو بدنام کرنے یا کسی سے بدلہ لینا میرے پیش نظر نہیں۔ صرف اس چیز کی برائی کو واضح کرنا مقصود ہے کہ انتہا پسندانہ سوچ کس طرح انسان کو آخری درجے کے غلط نتائج اخذ کرنے تک لے جاتی ہے۔

غلامی کا مسئلہ

یہ خط میری کچھ تحریروں کے پس منظر میں لکھا گیا ہے جن کا تعلق غلامی سے ہے۔ میں نے پچھلے کچھ عرصے میں غلامی کے حوالے سے بار بار مختلف مضامین اور مکاتیب میں یہ بتایا تھا کہ غلامی ایک ظلم ہے۔اللہ تعالیٰ کبھی ظلم کو پسند نہیں کرتے۔ تاہم جس وقت اسلام آیا غلامی ایک مرض کی طرح پوری دنیا کی معاشرت کو اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھی۔ صورتحال یہ تھی کہ غلامی

ہزاروں برس سے انسانی معاشروں میں اس طرح پھیل چکی تھی کہ اس کی برائی کا ہر تصور ختم ہو چکا تھا۔ دنیا بھر کے معاشرے اس کو ایک معروف چیز کے طور پر قبول کر چکے تھے۔ زندگی کا ہر شعبہ لونڈی غلاموں پر اسی طرح منحصر تھا جس طرح آج ملازمت یا سروس انڈسٹری پر باقی تمام معیشت اور معاشرت منحصر ہے۔ اس شکنجے کو اگر یکدم کھولا جاتا تو پورا معاشرتی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا۔ مگر یہ مقدر تھا کہ رحمت للعالمین کے فیض سے جہاں اور ہر چیز نے اپنا حصہ پایا لونڈی غلام بھی اپنا حصہ پاتے۔ چنانچہ غلامی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر اسلام نے غلامی کو ایک دم ختم کرنے کے بجائے تدریج کا راستہ اختیار کیا۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جلیل القدر اہل علم کے کام کی روشنی میں اس کی تفصیل ہمارے عزیز دوست مبشر نذیر صاحب نے اپنی کتاب ''ذہنی اور نفسیاتی غلامی کی تاریخ'' میں بیان کی ہے۔

یہ محققانہ کتاب مبشر نذیر صاحب نے میری ہی درخواست پر لکھی تھی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ ان کے ایک جاننے والے کو غلامی کے حوالے سے اسلام پر سخت اعتراضات تھے۔ میں نے خط وکتابت اور زبانی گفتگو میں ان تمام اعتراضات کا جواب دے دیا۔ اس میں ان کا ایک یہ اعتراض بھی تھا کہ رحمت اللعالمین سرکار دوعالم نے ایک خاتون حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے حرم میں اسی حیثیت میں جگہ دی۔ ان کے نزدیک یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت تھا کہ اسلام غلامی کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس اعتراض کے جواب میں تفصیل سے یہ واضح کیا کہ ایسا کرنا دعوتی مصالح کے لیے ضروری تھا۔ حضرت ماریہ ان دو خواتین میں سے ایک تھیں جن کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضور کا دعوتی خط ملنے پر بہت عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ دوسری خاتون کا نام سیرین تھا۔ اس دور کے تقاضوں میں مقوقس کے لیے لونڈیاں رکھنے کو غلط

سمجھنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔اس کے نزدیک تو یہ بہت عزت دینے اور اپنی محبت و عقیدت کا اظہار تھا۔ ایسے میں حضور اس کا تحفہ رد کردیتے تو یہ براہ راست مقوقس کی توہین کے مترادف ہوتا۔ چنانچہ اس مصلحت سے آپ نے ایک خاتون کو اپنے حرم میں جگہ دی۔ تاہم حضور نے دوسری خاتون سیرین کو ایک صحابی حضرت حسان بن ثابت کو دے کر یہ واضح کردیا کہ اپنے حرم میں لونڈیاں جمع کرلینا حضور کے پیش نظر نہیں تھا۔ ورنہ دوسری خاتون کو اسی حیثیت میں رکھنے میں کیا امر مانع تھا؟

پھر یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب کے بادشاہ تھے۔آپ کا ایک اشارہ ہوتا تو آپ کے لیے کیا کمی تھی؟ جو لوگ آپ کی شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی یہ بھول جاتے ہیں کہ آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کے باوجود آپ کی تمام ازواج مطہرات سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو چھوڑ کر، بیوہ، مطلقہ اور بڑی عمر کی تھیں۔ ان سے شادیوں کی وجہ دعوتی اور دینی ذمہ داریاں تھیں۔ جبکہ ملک یمین کے طور پر آپ کی زندگی میں حضرت ماریہ کے سوا کوئی خاتون نہیں آئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ حضور ان کو آزاد کرکے ان سے شادی بھی نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں ایک خاص دائرے سے باہر آپ کی شادیوں پر بھی آپ پر پابندی لگا رکھی تھی۔ چنانچہ ان کو اسی حیثیت سے رکھنا حضور کی مجبوری تھی۔ یہ وہ پوری بات تھی جو میں نے ان صاحب کے سامنے رکھ کر ان کے تمام اعتراضات کے معقول جواب دے دیے تھے۔

تاہم اس بحث میں قلت وقت کی بنا پر میں ایک بات کا جواب دینے کے قابل نہ تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی اس تعلیم کے باوجود بعد کی صدیوں اور خلافت راشدہ میں غلامی کی صورتحال کیا تھی اور کس طرح پیدا ہوئی۔ اس پر میں نے مبشر صاحب سے درخواست کی اور

انہوں نے ایک بہت عمدہ تحقیقی کتاب لکھ کر یہ بتا دیا کہ غلامی کا یہ فساد ہرگز صحابہ کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ بعد میں دور ملوکیت میں پیدا ہوا۔

یہ ایک پرانی بحث تھی۔ حال ہی میں ترکی کے بعض تاریخی ڈراموں میں حسین وجمیل نیم عریاں خواتین کو لونڈیوں کے روپ میں دیکھ کر ایک دفعہ پھر لوگوں کے ذہن میں اس بارے میں سوالات پیدا ہو گئے۔ جس پر مجھے متعدد آرٹیکلز لکھ کر یہ بتانا پڑا کہ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام سرکار دو عالم کی زندگی میں اگر ان چیزوں کا ذکر ملتا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ یہ بھی سمجھانا پڑا کہ غلامی اب ختم ہو چکی ہے۔ اسے دوبارہ شروع کرنا ہر پہلو سے ظلم ہے اور اسلام کے نام پر یہ کرنا اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بھی بتانا پڑا کہ لونڈی غلام کمزوروں کو بنایا جاتا ہے۔ یہ ظلم دوبارہ شروع ہوا تو مسلم خواتین سب سے پہلے اس کی زد میں آئیں گی کیونکہ آج مسلمان ہی کمزور قوم ہیں۔ اس لیے قرآن مجید اور سیرت طیبہ کی سمجھ نہیں تو اسی پہلو سے اس کی شناعت کو سمجھ لیں۔

یہ وہ پورا پس منظر تھا جس کو نظر انداز کر کے ان صاحب نے مجھ سے ایک ایسی بے ہودہ بات (اس کا کچھ ذکر آگے آ رہا ہے) منسوب کی جس کا میرے سان وگمان میں بھی تصور نہیں تھا۔ یہ کام انسان اسی وقت کرتا ہے جب اس کا دل خدا کے خوف سے خالی اور ذہن انتہا پسندانہ انداز میں سوچنے کا عادی ہو چکا ہو۔ اس پس منظر کے بعد آپ میرا خط ملاحظہ کیجیے اور دعا کیجیے کہ انتہا پسندی کے اس خبیث مرض سے پروردگار اس قوم کو نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

میرا خط

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ 11/08/2015

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ بعض احباب نے مجھے ایک فیس بک پوسٹ کے بارے میں بتایا۔ میں چونکہ پچھلے کئی دنوں سے حالت سفر میں ہوں اس لیے براہ راست اس

پوسٹ کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ پھر ایک دوست نے اپنے آئی پیڈ پر یہ پوسٹ دکھائی جو کہ آپ کی فیس بک وال پر موجود تھی۔ اس کے متن کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ یہ پوسٹ آپ نے نجانے کس خیال سے شیئر کر دی ہے۔ جس کے بعد یہ بات آئی گئی ہوگئی۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ اس پوسٹ کے خالق آپ ہی ہیں تو میں انتہائی صدمے کی کیفیت میں آ گیا۔

اس وقت میرے سامنے آپ کی فیس بک وال کھلی ہے۔ اس میں 4 اگست کے دن آپ نے ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ ایک ہی پوسٹ لگائی ہے جس میں دو بالکل مختلف چیزوں کو جوڑ کر، جن میں سے ایک کا مجھ سے کوئی تعلق ہی نہیں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بدترین ظالم قرار دینے کی جسارت کا مرتکب قرار دیا ہے۔ سبحانك هذا بهتان عظيم ۔ آپ کے ایک دو قارئین کو اس پر ذرا تذبذب ہوا تو دیکھیے کس وضاحت سے آپ نے ان کا شک دور کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

these are two propositions: 1. ghulami zulm ki badtareen shakal he. 2. Prophet Muhammad pbuh kept slaves. 3. .... (I leave upon you to state the conclusion).

آپ اپنی بات میں اتنے واضح ہیں کہ معمولی عقل وفہم رکھنے والے کسی شخص کو اس میں معمولی سا شک بھی نہیں رہ سکتا کہ آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا بدترین گستاخ قرار دینے کی مہم شروع کر رہے ہیں۔ میں اس طرح کی ہر فتنہ انگیزی پر صبر کا فیصلہ کر چکا ہوں، اس لیے پبلک کی سطح پر آپ کو کوئی جواب دینے کے بجائے (جس کا حق فیس بک پر میرے خلاف اتنا بڑا بہتان لگا کر آپ مجھے دے چکے ہیں) میں اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ میں اس خط میں کوئی علمی نکتہ بھی نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ آپ نے اس ناچیز سے کوئی علمی اختلاف کیا ہی نہیں

بلکہ سرتاسر ایک بہتان لگایا ہے۔ اس بہتان کی علمی اساس پر بس اتنا ہی تبصرہ کروں گا کہ اس طرح کی لایعنی منطق استعمال کرنے کے بعد جس میں دو بالکل غیر متعلق چیزوں کو جوڑ کر اپنی طرف سے کوئی تیسرا نتیجہ نکالا جائے، دنیا کے کسی بھی کلام بلکہ خود قرآن و حدیث کے اپنے بیانات سے کوئی بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔

البتہ چونکہ یہ معاملہ میں نے اللہ کے حوالے کیا ہے۔ اس لیے قیامت کے دن یہ مقدمہ اللہ کی بارگاہ میں ضرور پیش ہوگا۔ اس پس منظر میں چند گزارشات پیش ہیں۔ کیونکہ ''علمی سرگرمیوں'' میں مصروف اکثر لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ قیامت کی پیشی کس ہولناک چیز کا نام ہے۔

آپ برسہا برس سے مجھ سے براہ راست رابطے میں رہے ہیں۔ کیا اتنے قریبی رابطے اور تعلق کا یہ تقاضہ نہیں تھا کہ آپ اتنا منفی نقطہ نظر قائم کرنے سے قبل ایک ای میل کر کے مجھ سے کوئی وضاحت مانگ لیتے۔

پھر آپ نے یہ فرض کر بھی لیا تھا کہ مجھ سے یہ سنگین جرم ہو گیا ہے تو کیا اس تعلق کا یہ تقاضہ نہیں تھا کہ علانیہ فیس بک پر لوگوں میں مجھے بدنام کرنے کے بجائے مجھے براہ راست خط لکھ کر توجہ دلاتے۔

چلیے ذاتی تعلق کو آپ کوئی اہمیت نہ دیتے تو کم از کم علمی دیانت کا تقاضہ یہ ضرور تھا کہ اس موضوع پر میرا مکمل نقطہ نظر جاننے کی کوشش کرتے۔ میری جس بات کو آپ نے نامکمل نقل کر کے اور ایک غیر متعلق بات کو اس سے جوڑ کر ایک خود ساختہ نتیجہ برآمد کیا ہے، وہ بھی کسی اصل علمی مضمون کا حصہ نہیں تھی جس میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہو۔ یہ تو ایک وضاحتی مکتوب تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ اصل مضمون

ڈھونڈنے کے لیے بھی آپ کو زیادہ محنت کی ضرورت نہیں تھی۔اس کا لنک اسی پوسٹ کے کمنٹس میں دے دیا گیا تھا۔

آپ اس مضمون کو پڑھ لیتے تو آپ کو اندازہ ہو جاتا کہ اس مضمون میں اس گناہگار نے ایک مختلف پہلو سے اسلامی تعلیمات کا دفاع کیا تھا۔اس نے اسلام پر لگائے گئے اس بہتان کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام آج بھی غلامی کی اجازت دیتا ہے اور یہ کہ اسلام کا کوئی نام لیوا مظلوم لڑکیوں کو اغوا کر کے یا ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اسلام کے نام پر اپنی ہوس کی تسکین کر سکتا ہے۔اس عاجز نے تو اللہ کی عنایت سے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں ابدی شریعت زیر بحث ہے وہاں اللہ تعالیٰ ہمیشہ لونڈیوں کے ساتھ تعلق کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف نکاح کے ذریعے مرد و زن کے تعلق کو جائز قرار دیتے ہیں۔لونڈیوں کے ساتھ تعلق کی اجازت کی آیات بالکل الگ ہیں اور ان سے واضح ہے کہ ان مقامات پر لونڈیوں سے تمتع کی اجازت عرف اور مصلحت کی بنا پر دی گئی ہے۔کیونکہ اس دور میں ہر گھر میں لونڈیاں موجود تھیں اور فوری طور پر غلامی ختم کرنے کی کسی کوشش میں پورا معاشرتی ڈھانچہ ہی تباہ ہو جاتا۔ اسی میں سورہ احزاب کی آیت کے ضمن میں یہ بھی زیر بحث آ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لونڈیوں سے تمتع کی اجازت دی گئی ہے۔

اس مضمون کو پڑھ کر آپ اس عاجز کی تحقیق کی داد نہ دیتے، کم از کم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ظالم ثابت کرنے کا وہ مکروہ الزام تو نہ لگاتے جو کفر سے بڑا الزام ہے۔مگر آپ یہ کر ہی چکے ہیں تو اب ایک حدیث کی رو سے یا تو قیامت کے دن آپ کو اپنے مقدمے کو ثابت کرنا ہوگا۔آپ نے ثابت کر دیا تو روز قیامت میں جہنم رسید ہو جاؤں گا۔ورنہ حدیث یہ بیان کرتی ہے اور ٹھیک بیان کرتی ہے کہ پھر الزام لگانے والا اسی جرم کا مرتکب قرار پائے اور اپنا

انجام بھگتے گا۔ میرے بھائی آپ نے جسے بچوں کا کھیل یا اسٹیج ڈراموں کی جگت بازی سمجھا ہے وہ بات بہت زیادہ سنگین ہے۔ کاش یہ بات آپ کے سمجھ میں آجائے۔

آپ مزید تحقیق کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ عاجز برسوں سے غلامی کے موضوع پر مختلف حوالوں سے لکھ رہا ہے اور اس کے ایک ایک گوشے کی وضاحت کی ہے۔ خاص کر اس بات کی بھی کہ کیوں سرکار دوعالم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے حرم میں جگہ دی۔ اس حوالے سے سرکار دوعالم پر بعض معاندین جو مکروہ الزامات لگاتے ہیں، اس عاجز نے پے در پے مضامین لکھ کر سرکار دوعالم کے اس عمل کا دفاع کیا ہے۔ آہ! مگر یہ بات کسے سمجھائی جائے؟

آخری گزارش یہ ہے کہ سب کچھ نہیں کر سکتے تھے تو مجھ پر یہ مکروہ بہتان لگانے سے قبل کم از کم غلامی کے حوالے سے اس پوسٹ کو غور سے پڑھ لیتے تو اندازہ ہو جاتا کہ میں آج کے دور میں غلامی کو دوبارہ شروع کرنے کے نقطہ نظر کی تردید کرتے ہوئے اس موضوع کو زیر بحث لا رہا ہوں۔ میری بات یہاں سے نقل ہوئی تھی کہ ''جو لوگ آج غلامی اور خاص کر خواتین کو لونڈیاں بنا کر ان سے استفادے کے قائل ہیں'' اور ختم یہاں ہوئی تھی کہ ''اس (غلامی) کا دوبارہ شروع کرنا ایک بدترین جرم ہے''۔ اگر کسی انسان میں کلام کو سمجھنے کی ابتدائی اہلیت بھی ہو تو وہ جان سکتا ہے کہ میں آج کے اس دور میں غلامی پر بات کر رہا ہوں جب لونڈی غلام کہیں بازار میں نہیں ملتے نہ تحفے میں دیے جاتے ہیں۔ آج غلام اور لونڈیاں رکھنے کے لوازم میں کسی کو پکڑ کر اس کی آزادی کو سلب کرنا، اسے قید میں رکھنا، کسی لڑکی کو بالجبر یا اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا سب شامل ہیں۔ میرے اِس مکتوب میں بدترین ظلم، آج دوبارہ غلامی کے شروع کرنے اور اس کے لوازمات کو قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اسے آپ بدترین ظلم نہیں سمجھتے تو آپ اپنی رائے رکھ سکتے ہیں اور اسے فیس بک پر شائع بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اب آپ اس عاجز کو بیچ میں

لے ہی آئے اور مجھے آقا علیہ السلام کے ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے تو جان لیں کہ میں نے بھی یہ معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش کر دیا ہے۔ گرچہ ذاتی طور پر میں آپ کو معاف کر چکا ہوں۔ اس لیے اطمینان رکھیے کہ میری ذاتی حیثیت میں قیامت کے دن آپ کے خلاف کوئی استغاثہ نہیں ہوگا۔ لیکن پروردگار عالم کی کریم ہستی اس طرح کے کسی ظلم پر کبھی خاموش نہیں رہ سکتی۔ وہ انصاف کرے گا اور کوئی ظالم اس کا انصاف برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ معاملہ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس عاجز کو اپنے کاموں کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اس حیثیت میں بھی ایک داعی کو بدنام کرنے کے جرم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت ایک دوسرا مقدمہ بھی آپ کے خلاف دائر ہوگا۔ یہ کوئی میری فضیلت کا معاملہ نہیں، دین کا ہر خادم جس کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے مقدمہ خود کریں گے۔ پھر وہ ساری چیزیں جو اوپر نقل ہوئیں ان کے حوالے سے آپ سے سوالات کیے جائیں گے۔ آج کے بعد آپ باقی ساری زندگی اس مقدمے اور ان سوالات کی تیاری میں گزاریے۔ میری طرف سے یہ پہلا اور آخری خط ہے جس کا مقصد آپ کو آخرت کی اس بربادی سے بچانا ہے جسے آج کے دور کا ہر دوسرا مذہبی عالم، اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کے شوق میں، اطمینان کے ساتھ مول لیتا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جہاں رہیے بندگان خدا کے لیے رحمت بن کر رہیں، باعث زحمت نہ بنیے۔

خوش	ہونا	ہے	تو	تعریف	سنیے
اور	بہتر	ہونا	ہے	تو	تنقید سنیے (ابویحییٰ)

پروفیسر محمد عقیل

زلزلہ پر کچھ سوالات

26 اکتوبر 2015 کو کوہ ہندوکش کی پلیٹوں میں حرکت کی بنا پر ایشیا میں زلزلہ آیا۔ اس کے سب سے زیادہ اثرات پاکستان میں محسوس کیے گئے ۔ اس زلزلے پر ہمارے ذہن میں کئی سوالات جنم لیتے ہیں جن کا جواب جاننا ضروری ہے۔ ذیل میں ان سوالوں کا مذہبی اور سائنسی تناظر میں جواب موجود ہے۔

1. کیا زلزلہ کے پیچھے انسانوں کی کوئی کوتاہی موجود ہوسکتی ہے؟

جی ہاں۔ ماہرین کے مطابق آج کل زلزلوں کی بنیادی وجہ ماحولیاتی تبدیلیاں ہیں۔ مختلف انڈسٹریز اور مشینوں کے استعمال کی بنا پر زہریلی گیسیں خارج ہورہی ہیں۔ ان گیسوں کی وجہ سے اوزون متاثر ہورہی ہے۔ اس کی بنا پر زمین کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ درجہ حرارت بڑھنے سے گلیشیرز پگھل رہے ہیں اور سمندر کی سطح بلند ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گلیشیرز اور سمندر کے پانی میں ایک توازن رکھا ہے۔ لیکن اس عمل سے گلیشیرز کے نیچے کی زمین کا بوجھ ہلکا اور سمندروں کے نیچے کی زمین کا بوجھ بھاری ہورہا ہے۔ اس تبدیلی کی بنا پر زمین کی تہہ میں پلیٹیں سرکنے کا عمل نہ صرف تیز بلکہ شدید تر ہوگیا ہے۔ لہٰذا زلزلوں کی تعداد اور شدت میں نہ صرف اضافہ ہوگیا بلکہ مستقبل میں اس عمل کے مزید تیز ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو انسان بحیثیت مجموعی ماحول کو خراب کرنے کا قصوروار اور زلزلوں کے آنے کا سبب بن رہا ہے۔ بالخصوص اس وقت جب اسے ان سب باتوں کا علم ہے۔

2. کیا زلزلہ آنے میں اللہ تعالیٰ کا بھی براہ راست کنٹرول ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے دنیا میں اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے ہمارے علم کے مطابق دو طریقے ہیں۔ ایک

طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب و علل کے ذریعے یہ سارا کام کرواتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص اونچی عمارت سے چھلانگ لگائے گا تو زخمی یا ہلاک ہو جائے گا۔ اس تکلیف کا سبب کشش ثقل یعنی زمین کے کھینچنے کی قوت کو مدنظر نہ رکھنا ہے۔ اللہ کا دوسرا طریقہ اسباب و علل سے ماورا کسی بھی نتیجے کا ظہور ہے جیسا بالعموم معجزات کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے مثال کے طور پر حضرت ابراہیم کے لیے آگ کا گلزار بن جانا۔ یا جیسے پیغمبر کے مخاطبین کو انکار کی صورت میں آسمان سے عذاب نازل کر کے فنا کر دیا جانا۔ نتیجہ خواہ اسباب کے ذریعے برآمد ہو یا اسباب سے ماورا، چونکہ دونوں کام اللہ کی براہ راست یا بالواسطہ اجازت ہی سے ہو رہے ہوتے ہیں اسی لیے دونوں ہی کو اللہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

اگر ماضی کو دیکھا جائے تو بظاہر یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عام طور پر پہلے ہی طریقے کو اختیار کرتے اور امور کو اسباب و علل کے تحت ہی ہونے دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ قادر مطلق ہیں تو آپ اسباب کے پابند نہیں۔ آپ جب چاہیں اسباب کے بالکل برخلاف نتیجہ برآمد کر سکتے اور اپنا فیصلہ نافذ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک قدرتی آفات بالخصوص زلزلے کا تعلق ہے تو یہ عام طور پر اسباب کے تحت ہی ہو رہے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آنے والی آفت سے نہ صرف پوری طرح باعلم ہوتے ہیں بلکہ اپنی حکمت کے لحاظ سے اس کی شدت، ڈائریکشن، وقت اور کیفیت کا تعین یا تبدیلی کے عمل کو مانیٹر بھی کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے نتائج کو یکسر تبدیل کرنے پر مکمل طور پر قادر ہوتے ہیں۔

چنانچہ زلزلے خواہ اللہ کی اسباب و علل کی اسکیم کے تحت آئیں یا اللہ کی براہ راست مداخلت کے ذریعے، دنوں ہی من جانب اللہ ہوتے اور دونوں ہی اللہ کے براہ راست کنٹرول اور علم

میں ہوتے ہیں۔

3. زلزلہ میں کیا حکمت پوشیدہ ہوسکتی ہے؟

اس میں تنبیہہ، ناراضی، وارننگ، آزمائش، دلوں کونرم کرنا، خدا کی جانب لوگوں کومتوجہ کرنا، آخرت کے زلزلے سے خبردار کرنا جیسے بیشمار پہلوشامل ہوتے ہیں۔یعنی اگر یہ سزا ہےتو اس میں قوم فنا نہیں ہوتی بلکہ کچھ لوگوں کوموت دے کر باقی لوگوں کواس سے سبق حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔جن لوگوں کی جان اور مال اس آفت سے متاثر ہوتے ہیں اس کے لیےضروری نہیں کہ وہ گناہگارلوگ ہی ہوں۔ان میں سے زندہ بچ جانے والے متاثرہ لوگوں پرصبر کا امتحان لاگوہوجاتا جبکہ متاثر نہ ہونے والےلوگوں پرشکر کےامتحان کےتقاضےلاگوہوجاتے ہیں۔

4. زلزلہ میں مزید کیا پہلو پوشیدہ ہوسکتے ہیں؟

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی قدرتی آفات بالخصوص زلزلے میں کئی دیگر پہلوبھی موجودہوتے ہیں۔ایک تو یہ کہ اس قسم کی آفت اللہ کی ناراضی کوظاہرکرتی ہے۔لیکن ضروری نہیں کہ یہ ناراضی مذہبی طور پر بیان کیے جانے والے چند گنے چنے گناہوں کے ارتکاب پر ہی ہو۔ یہ ناراضی ماحولیات کوتباہ کرنے کےحوالے سےبھی ہوسکتی ہے۔اس کےعلاوہ اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی،قرآن کی خلاف ورزی،فطرت کی تعلیمات سے انحراف،شرک کاارتکاب،قول و فعل میں تضاد، بدکاریوں پرعلما کی خاموشی اوردیگر برائیاں بھی اس ناراضی کاسبب ہوسکتی ہیں۔

زلزلہ کی آفت ایک قسم کاالارم بھی ہے کہ انسان نے اپنے ماحولیاتی نظام کی اگراصلاح نہ کی تو یہ آفتیں بڑھ جائیں گی اور یہ اضافہ زمین پر سے زندگی کے خاتمے تک بھی جاسکتا ہے۔اس کا ایک اور پہلوتنبیہ بھی ہے۔انسان عام طور پر چیزوں کوفارگرانٹڈ لیتا ہے۔وہ یہ سمجھتا ہے کہ آسمان وزمین کی ساری نعمتیں اس کا حق ہیں۔چنانچہ اس نعمت میں کمی کرکے یہ بتادیا جاتا ہے کہ یہ حق

نہیں بلکہ خدا کی جانب سے انعام ہے۔ خدا اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے زمین کو نیچے سے ہلا دے یا آسمان سے آگ برسا دے۔ اس کا ایک پہلو شکر و صبر کا امتحانی ماحول پیدا کرنا ہے۔

5. اللہ تو اپنے بندوں پر خیر مطلق ہیں تو زلزلہ جیسا شر کیوں ظہور پذیر ہوتا ہے؟

اللہ خیر مطلق ہیں۔ وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہیں اسی لیے وہ انہیں بے راہ روی کا شکار دیکھ کر انہیں اس کیفیت سے نکلنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ شاک ٹریٹمنٹ ہے۔ اس کے ذریعے بندوں پر کئی حقائق آشکار ہوتے ہیں۔ بندہ اگر فراست کی نگاہ سے دیکھے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس دنیا کی نعمت عارضی ہے، یہاں کا ملنا ملنا نہیں اور کھونا کھونا نہیں۔ وہ جان لیتا ہے کہ اسی طرح ایک دن سب تباہ ہو جائے گا۔ جب وہ ان حقائق کو جانتا ہے تو لامحالہ خدا کی جانب رجوع کرتا اور آخرت کی اصل زندگی کی وہ نعمتیں اپنے نام بک کر لیتا ہے جن کے سامنے دنیا کی یہ مصیبتیں کچھ بھی نہیں۔

6. اس آفت میں اللہ سے رجوع کرنے کی انفرادی صورت کیا ہے؟

زلزلہ چونکہ اجتماعی معاملہ ہے اس لئے اس معاملے میں انفرادی ہی نہیں اجتماعی طور پر اللہ سے رجوع کرنا لازمی ہوتا ہے اور اس کے معلوم اسباب کی روک تھام ضروری ہوتی ہے۔ اس کے لیے درج ذیل انفرادی و اجتماعی اقدام کرکے اللہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے :

- سب سے پہلے تو ہم میں سے ہر شخص اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لے کہ ہم وہ کون سے کام ہیں جو خدا کی نافرمانی میں کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ خدا کے احکامات انسان کو صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ معاشرت، معیشت، خورد و نوش، اخلاقیات اور دیگر امور میں بھی ملے ہیں۔ نیز تمام احکامات کا ماخذ علمائے مذہب نہیں بلکہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت اور وحی ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر شخص ان کوتاہیوں کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھالے۔

❁ اس بیڑا اٹھانے کے لیے زبانی استغفار، توبہ اور معافی کے کلمات کسی بھی زبان میں ادا کرنا ایک اچھا اقدام ہے جس سے انسان کی نیت کا پتا چلتا ہے۔

❁ زبان سے اقرار کے بعد اسے عمل میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی جائے۔ کیونکہ عمل کے بغیر محض بات کرنا خود فریبی اور منافقت کو جنم دے سکتا ہے۔

❁ زلزلے کا نفسیاتی اثر ختم ہو جانے کے بعد بھی اللہ کو یاد رکھنا اور رجوع کے عمل کو جاری رکھنا ہی اصل مومن کی پہچان ہے۔ بھول جانے والوں کے لیے ممکن ہے اگلا زلزلہ تنبیہہ نہ ہو بلکہ موت کا پیغام ہو۔

7. اجتماعی سطح پر توبہ و استغفار کے لیے کیا اقدام کرنے چاہئیں؟

سب سے پہلے وہ اسباب معلوم کرنے چاہئیں جن کی بنا پر یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد اس کے سد باب کے لیے حکومت، میڈیا، عدلیہ اور انتظامیہ مل کر کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں۔

دوسرا کام ان اخلاقی برائیوں کا خاتمہ ہے جن کی بنا پر اللہ تعالی کی ناراضی کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ان برائیوں میں صرف مشہور زمانہ چند گناہ جیسے زنا، بے پردگی، شراب نوشی، سود، فحش موسیقی ہی شامل نہیں۔ اجتماعی گناہوں میں ملاوٹ، دھوکے بازی، چوری، ڈاکہ زنی، کرپشن، جھوٹ، نمود و نمائش، مذہبی تعصب، فرقہ بندی، قتل و غارت گری اور منافقت، قرآن کو چھوڑ دینا جیسی برائیاں بھی شامل ہیں۔ ان سب پر بھی میڈیا، سماجی راہنما، سلجھے ہوئے مذہبی علما اور حکومت کا کام کرنا لازمی ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے اجتماعی توبہ اور استغفار کی جاسکتی ہے۔ باقی سارے طریقے محض زبانی دعوے اور خانہ پری ہی ہیں۔

فرح رضوان

سوشل میڈیا اور ہم

جب بجلی نئی نئی آئی تھی تو بعض گھروں میں بارش کے دوران غلط یا غیر معیاری بجلی کے تاروں کی وجہ سے، برقی آلات کے علاوہ، گھر کی دیواروں میں، نلکوں اور پانی میں حتی کہ گیس کے چولہوں تک میں کرنٹ آ جاتا تھا- لوگوں کو اپنے گھر میں ہی جائے پناہ نہ ملتی جس چیز کو ہاتھ لگاؤ بجلی کا جھٹکا۔

یہی حال ہم نے اس ٹیکنالوجی کا کیا ہوا ہے کہ سہولت کو لت بنا ڈالا، اب تو نہ گھنٹی بجتی ہے نہ باتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے کے کان کھڑے ہوں، خاموشی سے جس سے چاہا جو چاہا چیٹ چیٹ کی چاٹ سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

اس نئی کمیونیکیشن ٹیکنالوجی سے جس قدر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے ہم دونوں جہانوں کا اس سے دگنا نقصان اٹھا رہے ہیں اور جس طرح زکام کسی کو بھی ہو جاتا ہے، یہ وباء بھی چھوت کے مرض کی طرح، لادین افراد میں جتنی دکھائی دیتی ہے اس سے ''دیندار'' افراد بھی محفوظ نہیں اور عمر، جنس، شادی شدہ، ہونے نہ ہونے کی بھی کوئی قید نہیں اور جوان بچوں کے ہوتے ہوئے ان کے والدین کو ہوش نہیں کہ وہ لمحاتی جذباتی تسکین کے لیے کسی نامحرم سے دکھ سکھ بانٹنے کے نام پر کس دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں۔

زندگی میں کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں رہ گیا ہے جب مخلوط محفلیں اور دوستیاں ہوں گی تو کسی کو بھی کوئی بھی اچھا لگنا شروع ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔ سمارٹ فون ہاتھ میں لیے معاشرہ اتنا نڈر اور بیباک ہو کہ دل میں خدا خوفی کی جگہ طفلی اور سفلی خواہشات ختم ہونے میں نہ آتی ہوں تو کیا کریں۔

بنیادی طور پر اس میں چار طرح کے لوگ شامل ہیں، ایک وہ جن کی ناک کے نیچے انہیں دھوکہ دیا جارہا ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جو اپنی دنیا میں مگن بنا کسی بری نیت کے فساد فی الارض کا گناہ سمیٹ رہے ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو سمجھدار ہونے کے باوجود پھسل جاتے ہیں اور چوتھے وہ جو بظاہر دوسروں کو لیکن اصل میں خود کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں، دوسروں پر اور اپنی جان پر ظلم کر کے خفیہ غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔

دھوکہ کھانے والے کیا کریں؟

وہی جو ہر برائی کے لیے حکم ہے کہ اسے جس حد تک ممکن ہو حکمت کے ساتھ زبان سے ہاتھ سے روکو ممکن نہ ہو تب دل میں برا جانو جو کہ آخری درجے کا عمل ہے۔

وہی جو ہیروئن کے عادی فرد کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، سب سے پہلے حقیقت کو اس کی تمام تر تلخیوں کے ساتھ قبول کرنا۔ دوسرا تحمل، تدبر حکمت و ہمت کے ساتھ معاملہ کرنا، دعا، توکل، برداشت، صبر اور عفو کا دامن نہ چھوڑنا کیونکہ بہت سے لوگ گناہوں سے واپسی کا راستہ صرف اس وجہ سے بھی ترک کر دیتے ہیں کہ دوسری طرف معافی کے بجائے عمر بھر کے طنز وطعنوں کے نشتر دکھائی دیتے ہیں۔

دوسری قسم کے غافل افراد سے ہوش کے ناخن لینے کی درخواست ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ کے بندو جب طوفانی جھکڑ چل رہے ہوں تو باہر اڑتے غبار اور کچرے کے لیے گھروں کے دروازے کھولے نہیں بند کیے جاتے ہیں سخت موسم سے نمٹنے کے لیے غذا ماحول دوا سبھی کا بندوبست ضروری ہے۔ ہم دوسرے کلچر کو من وعن نہیں اپنا سکتے۔ آپ کے دل میں بے شک ذرا بھی کھوٹ نہ ہو لیکن سوشل میڈیا پر تصاویر سے لے کر............

ازواج کا کھلے عام اظہار محبت؟ کیا اس کی ہمیں اجازت ہے؟ جو دین آپ کی یہ تربیت کرتا

ہے کہ غریب پڑوسی کو آپ کے گھر کے کھانوں کی خوشبو سے بھی اذیت نہ پہنچے آپ آئے دن دعوتوں کی تصاویر لگا کر انجانے میں کسی کے گھر فساد کا باعث بن رہے ہیں کہ بیوی کو شکوہ کہ میاں اس طرح نہ تو کماتا ہے نہ گھماتا ہے نہ محبت جتاتا ہے اور شوہر کے لیے تو مثل مشہور ہے کہ اسے اولاد اپنی اور بیوی دوسرے کی پسند آتی ہے ۔ جس کے پیچھے یقیناً نفس اور شیطان ہی ہے لیکن اس آگ کو مزید ہوا دینا اصل میں کس کا ساتھ دینا ہوسکتا ہے؟

تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کو اندر ہی اندر غم کھائے جاتا ہے کہ ان کی محنت یا صلاحیت کی کوئی قدر ہی نہیں کرتا خود پسندی کا شکار تعریف و توصیف کی طلب ۔

یہ سیدھی سیدھی اقبال کی مکھی کی خوشامد پسند طبیعت اور مکڑے کے مکر کی داستان ہے ۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ اپنی تعریف سننے کی خواہش میں کسی کے جھانسے میں آ جانا ۔

اور چوتھی قسم کے لوگوں کو کچھ نہیں کرنا سوائے اس کے کہ وہ "اللہ کو دھوکہ" دینے والوں کا حال قرآن کے شروع میں ۔ درمیان میں ۔ آخر میں جہاں سے چاہیں پڑھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے ڈھیل دیتا ہے، کس قدر نفرت فرماتا ہے بظاہر مسلمان بن کے خفیہ طور پر دین کے مخالف کاموں کو رغبت کے ساتھ کرنے پر ۔

یقیناً اللہ کریم ہے اور تواب بھی کہ سچی توبہ کرنے والوں کو معاف فرما دیتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں اور معاشرے کو ہر طرح کے شر سے بچائے ۔ اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے ۔ وقت رہتے سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے ۔ (آمین)

بہترین انسان وہ ہے جو مسائل حل کرتا ہے
اور بدترین وہ ہے جو مسائل پیدا کردیتا ہے (ابویحییٰ)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (24)

دلائل توحید: انسانی علم و روایت کی دلیل

توحید کے حق میں انسانی علم و روایت کی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی پانچویں دلیل انسانی علم و روایت کی وہ مذہبی اور علمی تاریخ ہے جو ہزار ہا برس پر محیط ہے۔ اس انسانی تاریخ کا کچھ جزوی تذکرہ ہم وجود باری تعالیٰ کے دلائل کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ وہاں یہ بیان ہوا تھا کہ انسانوں کے جد امجد حضرت آدم و حوا کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہستی کسی سنی سنائی دیو مالائی داستان کی حیثیت نہیں رکھتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس سے مکالمہ ان کا ذاتی تجربہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ واقعہ ہابیل و قابیل کے حوالے سے ہم نے اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ اولاد آدم کے لیے بھی وجود باری تعالیٰ اور اس کی طرف سے آنے والی نشانیاں ذاتی مشاہدات اور تجربات کی حیثیت رکھتی تھیں۔

یہاں ہم جس چیز کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں وہ یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے لیے وجود باری تعالیٰ ذاتی تجربہ ہو اور اس سے مکالمہ اور اس کی نشانیاں ان کا ذاتی مشاہدہ ہوں، وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ تو ممکن ہے کہ لوگ اپنے مفادات و خواہشات کے اسیر ہو کر ذاتی زندگی میں عملی کوتاہیوں، غفلت، معصیت اور ظلم کے مرتکب ہو جائیں، جیسا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے کیا تھا، مگر یہ ممکن نہیں کہ لوگ پہلے مرحلے پر ہی شرک کا شکار ہو کر غیر اللہ کی عبادت شروع کر دیتے۔ چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسانیت کا آغاز شاہراہ توحید ہی سے ہوا اور لوگ ابتداء میں ایک ہی امت تھے۔ مشرکانہ انحرافات اور ان کے نتیجے میں

پیدا ہونے والے اختلافات اس کے بعد شروع ہوئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور لوگ تو ایک ہی امت تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا۔ اور اگر تمہارے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس امر میں فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔'' (یونس10 :19)

''لوگ ایک ہی امت بنائے گئے انہوں نے اختلاف پیدا کیا تو اللہ نے اپنے انبیا بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی قولِ فیصل کے ساتھ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں، ان میں فیصلہ کر دے۔''، (بقرہ2 :213)

قرآن مجید کے یہ بیانات اس خیال کی نفی کرتے ہیں کہ انسانیت نے اپنی مذہبی تاریخ کا آغاز لامحدود خداؤں، دیوی دیوتاؤں اور مظاہر فطرت کی عبادت سے کیا اور پھر مذہبی تاریخ کے ارتقائی دور میں وہ بتدریج ایک خدا تک آ پہنچی۔ قرآن مجید پورے اعتماد کے ساتھ اس حقیقت کو بار بار اٹھاتا ہے کہ انسانیت کی ابتدائی راہ شاہراہ توحید تھی۔ شرک کا ہر انحراف اس مرکزی شاہراہ سے انحراف کرنے کے نتیجے میں بتدریج پیدا ہوا ہے۔

اس دعویٰ کی دلیل: تاریخ رسل

ایک شخص اس دعوے کی حقانیت کو چیلنج کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ محض ایک دعویٰ، ایک خیال ہے۔ آج کے انسان کے پاس حضرت آدم وحوا، ہابیل و قابیل اور ابتدائی انسانوں کی زندگی کا کوئی ریکارڈ نہیں جو اس کی تصدیق کر سکے کہ انسانیت نے اپنا آغاز شاہراہ توحید سے کیا تھا اور یہ کہ خدا کی ہستی، اس سے مکالمہ، اس کی نشانیوں کا مشاہدہ ابتدائی انسانوں کے ذاتی تجربات تھے۔

قرآن مجید اس شبہے کا ازالہ کرتے ہوئے حضرات انبیا و رسل کی وہ پوری تاریخ انسانوں کے سامنے رکھتا ہے جو انسانوں کے پاس مسلمہ طور پر موجود ہے۔ یہ تو کسی شخص کے لیے ممکن ہے کہ وہ

آدم وحوا اور ہابیل و قابیل کے مذہبی بیانات کو تاریخی معیارات پر چیلنج کرے، مگر ان بیانات کا ماخذ حضرات انبیا کی جو روایت ہے وہ ان کی سچائی کا ثبوت بھی ہے۔ یہ روایت جو پچھلے چار ہزار برسوں سے مسلمہ تاریخی تواتر کے ساتھ موجود ہے، اس حقیقت کا ناقابل تردید بیان ہے کہ نہ صرف پچھلے ہزاروں برس میں بلکہ اس سے قبل بھی جو لوگ آسمان سے فیض پا کر زمین والوں کی ہدایت کے منصب پر فائز ہوئے ان کی دعوت سوائے توحید کے کچھ نہیں تھی۔ اس مسلسل مذہبی روایت کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلیل القدر ہستی سے ہوا جو آج سے تقریباً چار ہزار برس قبل عراق میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ منصب نبوت و رسالت پر فائز ہوئے۔ اپنے زمانے کے ایک ظالم بادشاہ نمرود، اپنے والد اور اپنی قوم کے خلاف ڈٹ گئے اور ان کو توحید کی دعوت دی اور ان پر اتمام حجت کیا۔ اس کے بعد وہ ہجرت کر کے فلسطین آ گئے۔ اللہ کے حکم پر انھوں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ فلسطین اور دوسرا حصہ مکہ کی وادی غیر ذی زرع یعنی بنجر و ویران زمین میں بسایا۔ ان دونوں سے دو عظیم امتیں یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل نے جنم لیا۔ ان میں جلیل القدر انبیائے کرام آئے۔ خاص کر بنی اسرائیل میں تو ایک تواتر کے ساتھ نبوت اور کتابوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہا۔ نبوت و رسالت کی یہ مسلمہ تاریخ اور انبیا کی کتابیں اس بات کا واضح بیان ہیں کہ ان سب کی مشترکہ دعوت توحید اور ایک اللہ کی عبادت تھی۔ یہی دعوت انھوں نے اپنی قوم کو دی، اسی سے انحراف پر ان سے زبردست فکری اور عملی جنگ کی اور اسی کی نصیحت دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی اولاد کو کر کے گئے۔

گرچہ اس مذہبی روایت میں بھی شرک نے بار بار مداخلت کی۔ اولاد انبیاء بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل بتوں اور بچھڑوں سے لے کر فرشتوں اور جنوں کی عبادت کے جرم کے مرتکب ہوئے، مگر یہ سب لوگوں کے انحرافات تھے۔ حضرات انبیا کی دعوت سوائے توحید کے اور کچھ نہ تھی۔ چنانچہ چار

ہزار برس کی انبیا کی دعوت کوتو تاریخ کا تواتر حاصل ہے۔ پھر یہی تواتر ایک طرف اس کی گواہی دیتا ہے کہ انسانیت کا آغاز توحید سے ہوا، دوسری طرف یہ بڑے عجیب طریقے سے اس بات کی عملی تصدیق کرتا ہے کہ انسانیت کا آغاز توحید ہی سے ہوا۔ ان انبیا کی تاریخ اس بات کا واضح بیان ہے کہ جس طرح ان انبیا کی اولادیں شیاطین کے شر کا شکار ہو کر شرک میں مبتلا ہوئیں، ٹھیک اسی طرح قرآن مجید کا یہ بیان مکمل علمی اور عقلی ہے کہ انسانیت کے قافلے کا سفر توحید سے شروع ہوا اور شرک بعد میں ان کے اندر در آیا۔ چنانچہ اگر یہود مسلسل انبیا کے آنے کے باوجود بعل اور بچھڑے کی عبادت کر سکتے ہیں، اگر مسیحی انجیل کی موجودگی میں جو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے ذکر سے مکمل طور پر خالی ہے، ان کو خدا کا بیٹا بنا سکتے ہیں تو زمانہ قبل از تاریخ میں یہ کام بدرجہ اولیٰ ہو گا۔

شرک کے حق میں کسی گواہی کا نہ ہونا

انسانی علم و روایت کا یہ ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو اس کے برعکس طریقے سے توحید کے حق میں استدلال کرتا ہے۔ وہ یہ کہ انسانی علم و روایت کی پوری تاریخ اس تصور سے خالی ہے کہ کسی مسلمہ علم نے شرک کے حق میں کسی پہلو سے بھی کوئی گواہی پیش کی ہو۔ شرک کبھی کسی نبی کی دعوت نہیں بنا اور نہ کوئی الہامی کتاب کسی پہلو سے شرک کی طرف بلاتی ہے۔ قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں بھی چاہے وہ تورات ہو، زبور یا انجیل یا کسی اور نبی کا کلام شرک کے ہر تصور سے خالی ہیں اور اس کی بھرپور تردید کرتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور ہستی اگر عبادت کے قابل ہے، وہ خدائی میں کسی پہلو سے شریک ہے تو کیا سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کو یہ بات اپنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے سے لوگوں کو نہیں بتانی چاہیے تھی؟ اگر خدا نے اپنے نبیوں اور ان کی کتابوں کے ذریعے سے کبھی اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا اور نہ شرک کبھی صالحین کی روایت رہا تو اس بات کا کیا امکان ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود مانا جائے یا اس کی خدائی اور عبادت میں کسی اور کو

شریک کیا جائے۔ چنانچہ اس پس منظر میں قرآن مجید انبیا کی زندگی، تعلیمات، ان کی کتابوں اور سب سے بڑھ کر خدا کی اپنی شہادت کو بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

مسلمہ علم کی گواہی

یہی کچھ معاملہ انسانوں کی مسلمہ علمی روایت اور صالحین کی وراثت و تعلیمات کا ہے۔ انسان کا قدیم علم ہو یا جدید سائنسی علم وہ اس حقیقت کو بالکل واضح کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے جس کسی کو معبود بنایا گیا، وہ اگر علم و سائنس کے دائرے میں آتے ہیں تو علم و سائنس کی یہ روایت یہ حقیقت بالکل کھول دیتی ہے کہ وہ معبود نہیں ہو سکتے۔ اشجار و حیوانات جن کو کسی پہلو سے بھی پوجا گیا، پوری طرح اسباب و علل کے پابند اور ان سے بلند ہر اختیار سے محروم ہیں۔ یہی معاملہ اجرام فلکی کا ہے جو محض بے جان مادی وجود ہیں۔ سب سے زیادہ پوجے جانے والے بت وہ تراشے ہوئے پتھر ہیں جو انسان کے اپنے ہاتھوں کی صناعی ہیں۔ رہے خود انسان تو جنھیں بھوک لگتی ہے، جو مر جاتے ہیں، جو سراپا عجز ہیں، وہ کبھی معبود نہیں ہو سکتے۔ یہ سب انسانی علم و عقل کی اپنی گواہی ہے۔ یہ گواہی اہل علم نے اپنے علم کی بنیاد پر دی ہے اور صالحین اور نیک لوگوں نے اپنی فطرت اور انبیاء کی تربیت کی بنیاد پر یہ شہادت دی ہے۔

اب رہی وہ ہستیاں جو غیر مادی ہیں اور جو سائنس اور انسانی علم کے دائرے سے مکمل طور پر باہر ہیں اور جن کی پرستش بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے یعنی فرشتے اور جن تو ان میں سے ایک ایک کی گواہی اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں پیش کر کے یہ بتاتے ہیں کہ وہ محض مخلوق ہیں جن کا خدائی میں کوئی حصہ نہیں۔ معبود صرف ایک ہی ہے۔ اللہ جل جلالہ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہی آخری سچائی ہے۔ کسی کو اس کی تردید کرنا ہے تو وہ بلائے فرشتوں اور جنوں کو اور ان سے یہ شہادت لے کہ وہ کس پہلو سے خدا کے شریک ہیں۔ خدا کے سوا کون ہے اس دنیا میں جو خدائی کا دعویٰ کر سکے؟

آیاتِ قرآنی

''ان سے کہو کہ اگر تم اس کو جھٹلاتے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو، میں اسی کی پیروی کروں گا، اگر تم سچے ہو۔'' (قصص 28 :49)

''تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور تمہارے اوپر ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کی ہیں! پھر بھی لوگوں میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر کسی دلیل، بغیر کسی ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں!'' (لقمان 31 :20)

''شاہد ہیں صفیں باندھے، حاضر رہنے والے فرشتے؛ پھر زجر کرنے والے (شیاطین کو)؛ پھر ذکر کرنے والے (اپنے رب کا) کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے'' (صافات 37 :4-1)

''اور ہم میں سے ہر ایک کے لیے بس ایک معین مقام ہے اور ہم تو خدا کے حضور صف بستہ رہنے والے ہیں۔ اور ہم تو اس کی تسبیح کرتے رہنے والے ہیں۔'' (صافات 166-164)

''اللہ، فرشتوں اور اہل علم کی گواہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عدل وقسط کا قائم رکھنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔'' (ال عمران 3 :18)

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا۔ جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباؤ اجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔'' (بقرہ 2 :133)

''ابراہیم نہ تو یہودی تھا، نہ نصرانی۔ بلکہ حنیف مسلم تھا، اور وہ مشرکین میں سے بھی نہ تھا۔''

(ال عمران 3 :67)

''ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے اور حال یہ ہے کہ مسیح نے

کہا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا" (مائدہ5 :72)

"پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔" (نحل16 :123)

"اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھی بھیجے ان کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔" (انبیا21 :25)

"کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل اتاری ہے جو ان چیزوں کی شہادت دے رہی ہو جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں!" (روم30 :35)

"اور اس دن کو یاد رکھو جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے رہے ہیں! وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے۔ ان کے بالمقابل تو ہمارا کارساز ہے! بلکہ یہ جنوں کی پرستش کرتے رہے ہیں، ان کی اکثریت انہی پر ایمان رکھتی تھی" (سبا34 :40-41)

"ان سے کہو کہ کبھی تم نے غور بھی کیا ان چیزوں پر جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو! مجھے دکھاؤ کہ زمین کی چیزوں میں سے انہوں نے کون سی چیز پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں میں کون سا ساجھا ہے! میرے سامنے اس سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔" (احقاف46 :4)

[جاری ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (27)

اس زمانے میں ترکی میں بہت سی دینی شخصیات کا ظہور ہوا۔ ان بزرگوں میں بدیع الزمان سعید نورسی (1873-1960) شامل تھے۔ انہوں نے 6000 صفحات پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ نورسی نہ صرف ایک عالم دین اور صوفی تھے بلکہ انہوں نے جدید تعلیم بھی حاصل کی ہوئی تھی۔ انہوں نے جدید ذہن کو مدنظر رکھتے ہوئے دور جدید کے مسائل پر بہت کچھ لکھا۔ انہوں نے مذہب اور سائنس کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور دین کے مسلمات کو عقل سے ثابت کیا۔ انہیں کمالسٹ حکومت کی جانب سے سخت مخالفت اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں طویل عرصے تک قید اور جلاوطنی کی سزا کاٹنا پڑی مگر یہ صعوبتیں ان کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا کرنے سے قاصر رہیں۔

نورسی اور ان جیسے دیگر بزرگوں نے حکومت کے جبر و تشدد کے باوجود ترک معاشرے میں اسلام کا چراغ جلائے رکھا۔ 1938ء میں کمال کی وفات کے بعد ان کے دیرینہ ساتھی عصمت انونو نے ان کی جگہ سنبھالی۔ انونو کمال سے بھی بڑھ کر انتہا پسند ثابت ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف اسلام پسندوں کے خلاف کریک ڈاؤن جاری رکھا بلکہ ترکی میں موجود دیگر اقلیتی گروہوں جیسے کردوں اور آرمینیوں کے خلاف سخت پالیسی اختیار کی۔ ان کے ان اقدامات کے نتیجے میں پورے ترکی میں کمالسٹوں کے خلاف فضا پیدا ہو گئی۔ حکومت کو 1946ء میں ملٹی پارٹی سسٹم کی اجازت دے دی۔ 1950ء میں عدنان مینڈرس کی جمہوری پارٹی نے انتخابات میں فتح حاصل کی۔ یہ کمالسٹوں پر مشتمل جمہوریت ہالک پارٹی (CHP) کی پہلی شکست تھی۔

عدنان مینڈرس نے کسی حد تک کمالسٹوں کی انتہا پسندانہ پالیسیوں کو ختم کرنے کی کوشش

کی۔انھوں نے مذہبی گروہوں کو کام کی اجازت دی۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کردوں اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ رکھے گئے ناروا سلوک کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔کمالسٹ اس تبدیلی کو برداشت نہ کرسکے اور ترکی کی فوج نے اقتدار پر قبضہ کرکے مارشل لاء نافذ کردیا۔1961ء کے آئین میں جماعت بندی کی آزادی دے دی گئی جس کے نتیجے میں بہت سی غیر سیاسی مذہبی جماعتیں اور صوفی سلسلے کام کرنے لگے۔

1970ء کے عشرے میں ترکی میں سول وار شروع ہوئی جس کے ذمہ دار کمیونسٹ اور بائیں بازو کے عناصر تھے۔ فوجی حکومت نے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے مجبوراً اسلام پسندوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا اور قرآن کلاسز کا اجراء کیا گیا۔ اس دور میں ترک نیشنلزم اور اسلام کے تصورات کو ملا کر ایک آئیڈیالوجی تشکیل دینے کی کوشش کی گئی۔اب صورت حال یہ تھی کہ اگرچہ ترکی ایک کٹر سیکولر ریاست تھی مگر اس میں اسلام پسند عناصر کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

[جاری ہے]

آج خدا کے نام پر
ہر چیز کی طرف بلایا جارہا ہے
سوائے اس چیز کے
جس کی طرف خود رب نے بلایا ہے
(ابویحییٰ)

پروین سلطانہ حنا
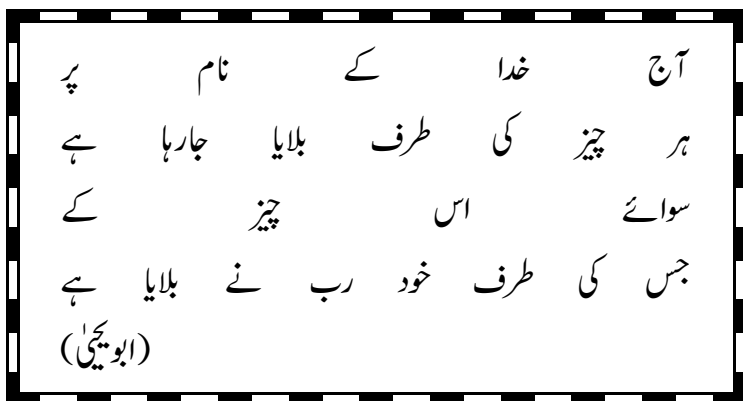
غزل

اے خدا بخش دے ضرور مجھے
تیری رحمت پہ ہے غرور مجھے

راحتِ جسم و جاں ہے ذکر تِرا
اِس میں ملتا ہے اِک سرور مجھے

اُس نے دیکھی ہے تیری ایک جھلک
اچھّا لگتا ہے کوہِ طور مجھے

ایسی پوشاک زیبِ جسم کروں
لوگ جنت کی سمجھیں حور مجھے

آپ کی یاد میں ہی جیتی ہوں
خود سے مت کیجئے گا دور مجھے

اتنی کثرت سے اُن کا ذِکر کروں
خود بلائیں وہاں حضور مجھے

تسبیحِ فاطمہ کا وِرد کروں
کام کرتا ہے جب بھی چُور مجھے

اُن کی چاہت ملی ہے وَرثے میں
اور کیا چاہیئے حضور مجھے

اُن کو جب سے بسا لیا دِل میں
حِنؔا لگتی ہے پرُ غرور مجھ

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

جنت کے خریداروں کی صفات

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اوران کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اورمرتے ہیں۔ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ اورانجیل اورقرآن میں۔اورکون ہے جو اللہ سے بڑھ کراپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکالیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے۔

اس کی بندگی بجالانے والے۔

اس کی تعریف کے گن گانے والے۔

اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے۔

اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے۔

نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے۔

اوراللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے، (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے خرید وفروخت کا یہ معاملہ کرتے ہیں) اوراے نبی ان مومنوں کوخوشخبری دے دو۔''

(التوبہ 9:112-111)